ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر عابدہ نسیم ❁

''کاغذی گھاٹ'': ایک تانیثی مطالعہ

Kaghazi Ghat: A Feministic Study

By *Dr. Abida Naseem, Lecturer, Dept. of Urdu Language & Literature, University of Sargodha.*

ABSTRACT

Khalida Hussain is a famous writer of our age. Her fiction explores all aspects of contemporary thought, and has a strong relativity towards sensitivity of modern age. Feminism is an important trend of Khalida's writings. Feminism is a modern literary theory which reveals the presentation and concept of a women in literature, It tries to interpret the literature according to female point of view. This article presents the feministic study of khalida's novel Khaghazi Ghat.

Keywords: Khalida Hussain, Khaghzi Ghaat, Feministic Study.

تانیثیت کی ابتدا آزادیِ نسواں کی تحریک سے ہوئی اور اس نے خواتین کے لیے صنفی مساوات، بنیادی حقوق کی فراہمی، آزادیِ اظہار اور استحصال کے خاتمے کے مطالبے سے سفر شروع کیا۔ رفتہ رفتہ اس نے اپنے دائرۂ کار میں ان قوانین اور اقدار و معیارات کو چیلنج کرنا شروع کیا جو مرد کی موضوعیت اور جبریت کا اثبات کرتے ہیں اور متبادل بیانیے کے طور پر ان اقدار و معیارات کی تشکیل پر زور دیا جو مرد و زن کے مابین صنفی مساوات کو ممکن بنائیں۔ اب تانیثیت عہدِ حاضر کا ایک ایسا کلامیہ ہے جس نے بڑھ کر بہت سے شعبہ ہائے علوم اور عملی زندگی کی متعدد جہات کو اپنے احاطے میں لے لیا ہے۔ بقول ناصر عباس نیّر تانیثیت نہ صرف ادبی متون بلکہ پوری انسانی تاریخ اور جملہ ثقافتی مظاہر کے مطالعے کا نیا تناظر فراہم کرتی ہے۔ یہ نیا تناظر دراصل وہ نئے سوالات ہیں جنھیں حقوقِ نسواں، آزادیِ نسواں کی تحریکوں اور تانیثی تھیوری نے گزشتہ صدی میں تشکیل دیا ہے۔ (۱) تانیثیت اپنی

❁ لیکچرر، شعبۂ اردو زبان و ادب، یونی ورسٹی آف سرگودھا

نوعیت میں اب ایک با قاعدہ ادبی تھیوری اور متون کے مطالعے کا طریقِ کار ہے۔ ادبی تنقید کے مکتبِ فکر کے طور پر ایلن شوالٹر اسے تین حصوں میں تقسیم کرتی ہیں۔ ابتداً ادب اور تخلیقی عمل کے محرکات کا جائزہ اور مطالعہ تانیثی نقطہ نظر سے کرنا۔ اسے Feminist Criticism کہا گیا ہے۔ ثانیاً عورت کے نقطہ نظر سے ادبی متون کی تفہیم و تعبیر کرنا۔ عورت کی تخلیقیت، تخلیقی عمل کے جذباتی، حیاتیاتی، سماجی، علمی اور نفسیاتی اسباب و محرکات کا تعین، زبان اور اس کی نسائی خصوصیات کا مطالعہ اور عورتوں کی تخلیقات کے ارتقا کا مطالعہ عورت خود اپنے معیارات اور نقطۂ نظر سے کرتی ہے۔ اسے Gyno-Criticism کہا گیا ہے۔ تیسرے پہلو کو وہ Gender Theory کہتی ہیں جس میں تانیثیت کے نظری مباحث پر خصوصی توجہ، تذکیر و تانیث سے متعلق تصورات اور ادب اور Gender کی باہم اثر پذیری اور تفاعل کا جائزہ شامل ہے۔ (۲)

۲۰۰۲ میں اشاعت پذیر ہونے والا خالدہ حسین کا ۱۷۵ صفحے کا ناول ''کاغذی گھاٹ'' اپنے فکری و فنی تجربے کی بنا پر بہت وقیع ہے۔ ناول کا فکری دائرہ معاصر تاریخ کے کئی ابعاد کا احاطہ کرتا ہے۔ قیام پاکستان سے لے کر سقوطِ مشرق پاکستان تک کے نشیب و فراز کا احاطہ بڑی سرعت اور اختصار و جامعیت سے کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ناول کی مرکزی کہانی تین لڑکیوں، مونا، افروز اور عائشہ کے گرد گھومتی ہے۔ تینوں لڑکیوں کے کردار کا ثقافتی پس منظر اور نفسیاتی تغیرات ایک باقاعدہ تانیثی اپروچ بناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ذیل میں اس ناول کا مطالعہ تانیثی حوالے سے کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تانیثیت جن امتیازات کو چیلنج کرتی ہے۔ ان میں سے ایک نمایاں امتیاز یہ ہے کہ سماجی اقدار و معیارات کی تشکیل میں عورت کے وجود کی یکسر نفی کر دی جاتی ہے۔ عورت کو محض ایک جسمانی پیکر کی سطح پر دیکھا جاتا ہے اور ایک مکمل وجود اور ایک فرد کی سطح پر اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اعداد و شمار اور مختلف کوٹہ جات میں بھلے اس کو ظاہر کیا جاتا ہے، مگر سماجی معیارات اور قاعدے آج بھی اس کے وجود سے اتنے ہی گریزاں ہیں، جتنے پہلے تھے۔ اس مسئلے کا سب سے بھیانک مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے، جب عورت کے لیے شریک زندگی کے انتخاب کا مرحلہ آتا ہے۔ سماجی ضابطے ایسے مرحلے پر عورت کی رائے اور مرضی کو قطعی درخور اعتنا نہیں سمجھتے اور عام طور پر لڑکیوں کی شادی ایسی جگہ کر دی جاتی ہے جہاں وہ ذہنی اور جسمانی طور پر ہم آہنگ نہیں ہو پاتیں۔ عمر بھر کی ذہنی اذیت بالآخر انھیں نفسیاتی مریض بنا دیتی ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ نفسیاتی پیچیدگیوں کا شکار ایسی عورت کو بھی طاقت اور جبر سے دبانے کی کوشش کی جاتی ہے اور صورت حال کی خرابی کی تمام تر ذمے داری بھی اس پر ڈال دی جاتی ہے۔

ناول میں دکھایا گیا ہے کہ ایک پنجابی زمیندار گھرانے کی حسین لڑکی سارہ کی شادی نوعمری میں ہی کر دی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جاتی ہے۔ سارہ گھر کی چار دیواری میں مقید رہنے والی بے زبان لڑکی تھی مگر وہ غیر معمولی حسین تھی اور چار سُو اس کے حُسن کے چرچے تھے۔ اس مسئلے کا واحد حل یہ نکالا گیا کہ اسے جلدی سے کھونٹے سے باندھ دیا جائے۔ اس کی شادی طے کرتے ہوئے واحد معیار یہ مدِنظر رکھا گیا کہ لڑکا مربعوں اور زمینوں والا ہو۔ جو لڑکا منتخب کیا گیا وہ بہت اجڈ اور اکھڑ مزاج تھا مگر اس بات کو چنداں اہمیت نہ دی گئی۔ شادی کے بعد سارہ کو کبھی ہنستے اور بولتے ہوئے نہیں دیکھا گیا اور رفتہ رفتہ اس پر دورے پڑنے لگے۔ سماجی اخلاقیات کی مضحکہ خیزی ملاحظہ ہو کہ قرار یہ پایا کہ سارہ پر جن عاشق ہو گیا ہے اور جمعرات کی جمعرات عامل بابا سے بہ زور بازو جن نکلوایا جاتا۔۔ جن اتنا ڈھیٹ تھا کہ اگلی جمعرات کو پھر واپس آجاتا تھا۔[۳]

یہاں معاشرے کا وہ خوف نہایت قابل توجہ ہے جس کی وجہ سے اکثر عورت کو ''ٹھکانے'' لگانے کی سبیل کی جاتی ہے۔ مروجہ ناانصافی، کرداری کمزوریاں اور کھوکھلے معیارات معاشرے کے ضمیر کا بوجھ بن جاتے ہیں۔ عورت کا ذہنی اور جسمانی غیر معمولی وجود ان کے مشترکہ مفادات کے ستونوں پر ایستادہ محبوب ''کمفرٹ زون'' کو کچوکے لگاتا ہے اور سوسائٹی کے رواج کسی مجرمانہ واردات کی طرح یہ طے کرتے ہیں کہ ایسی ''فتنہ پرور'' عورتوں کو جلد از جلد منظر سے ہٹا دینا چاہیے۔ جانب دارانہ اور صنفی امتیازات پر تشکیل کردہ روایات کے امین کسی معزز گھرانے میں جب کوئی جسمانی یا ذہنی حوالے سے غیر معمولی عورت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ ان کے لیے ضمیر کا بوجھ بن جاتی ہے کیوں کہ اس کا وجود تسلیم کرنے سے خاندان کے وقار پر زد پڑتی ہے۔ سارہ کے گھر والوں نے اس سماجی دباؤ سے خوف زدہ ہو کر کہ کہیں لڑکی کسی سے دل ہی نہ لگا بیٹھے، کہیں مرضی سے شادی کرنے کا مطالبہ نہ کرنے لگے، کہیں اسے اپنے وجود کی اہمیت کا ادراک نہ ہو جائے، کم عمری میں ہی اس کی بے جوڑ شادی کر دی اور کم سن لڑکی کی زندگی جن نکالتے نکالتے تباہ ہو گئی۔ بقول شموئیل احمد، ''معاشرہ مردوں کا ہے، اخلاقی قوانین اور ضابطے وہی خلق کرتا ہے... مردوں کے بنائے اخلاقی پیمانے میں اپنی زندگی جیتی ہوئی عورت ہمیشہ داغ دار نظر آئے گی۔''[۴]

سماج کا جانب دارانہ اور مرد حاکمانہ سٹرکچر عورت کے کردار کی جو سماجیاتی تشکیل کرتا ہے وہ اس کے اپنے مفادات پر استوار ہوتی ہے۔ عورت کی جو شناخت وضع کی جاتی ہے، وہ حقیقی اور آزادانہ/ منصفانہ نہیں ہوتی، بلکہ وہ کسی نہ کسی سماجی حوالے سے جڑی ہوتی ہے اور در پردہ سماجی ساختوں کے مروجہ نظام کو ہی تقویت دیتی ہے۔ سماجی ساختوں کا یہ نظام عورت کو ایک کیموفلاژ شناخت دیتا ہے اور وہ خود فریبی کا شکار ہو کر گھل گھل کر عمر گنوا دیتی ہے۔ اس کی عمر کا بہترین وقت اور صلاحیتیں اکثر ان ساختوں کی تکمیل اور ان پرسونوں کے نباہ میں صرف ہوتی

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

ہیں جو حقیقت میں اس ذات کے بجائے دوسروں کے مفادات کا تحفظ کرتی ہیں۔

ناول میں افروز اور عائشہ کے کردار کی مدد سے ایسی بہت سی سماجی ساختوں کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے، جو عورت کو شناخت کے چکر میں الجھا کر اس کی توانائیوں کے ضیاع اور شخصیت کی شکست و ریخت کا باعث بنتی ہیں۔ افروز اور عائشہ مہاجر کردار ہیں، قیام پاکستان کے بعد ان کے خاندان دلی اور پنجاب سے ہجرت کر کے لاہور وارد ہوئے۔ وہ ان خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں جنھوں نے سیاسی جدوجہد کی اور جن کو اپنی تہذیب اور سرزمین سے جدا ہونا پڑا۔ تقسیم اور ہجرت کے اس عمل کا ان لڑکیوں کی شخصیت پر گہرا اثر پڑا۔ مستقبل میں ان کی شخصی تعمیر و تشکیل انھی ثقافتی بنیادوں پر استوار ہوئی۔ خاص طور پر افروز سیاسی جدوجہد میں عملی طور پر شریک ہوتی ہے۔ زمانہ طالب علمی میں وہ مزدور یونین کے لیے بڑھ چڑھ کر کام کرتی ہے۔ جلسے جلوسوں میں ماری ماری پھرتی ہے، تقریریں کرتی ہے۔ وہ ایک خود دار، بہادر، مضبوط اور بہت پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ اس سارے عمل میں اس کی شخصیت بری طرح متاثر ہوتی ہے اور بالآخر وہ ایک مزدور سے بھاگ کر شادی کر لیتی ہے اور ایک عام سی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے... وہ سارا عالمی ادب گھول کے پی جانے والی سربلند لڑکی۔ سچ کے لیے ہر طاقت سے ٹکرا جانے والی۔ کیا عورت صرف اپنے آپ کو پاش پاش کرنے کے لیے تعمیر پاتی ہے؟ اس شخص میں افروز کے آئیڈیل کی ہلکی سی شبیہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ معلوم نہیں اس نے افروز کو کسی باطنی آشوب سے پناہ دی تھی۔ [۵]

افروز کا یہ انجام اس بات کا عکاس ہے کہ عورت سماجی تشکیلات کے اس عمل میں کل پرزے کی طرح استعمال ہوتی ہے۔ سماج اس کے ہر کردار کا تعین اپنے مفاد کی بنا پر کرتا ہے۔ سیاسی چپقلشوں، جنگوں اور حادثات میں سب سے زیادہ نقصان عورت کو اٹھانا پڑتا ہے۔ مختلف سماجی طبقات کے مابین طاقت، اقتدار اور سرمایے کے کھیل میں عورت کا گاجر مولی کی طرح استعمال کیا جاتا ہے اور اسے عورت ہونے کی قیمت چکانا پڑتی ہے۔ افروز نے سیاسی ہلچل اور ہنگاموں کے دور میں آنکھ کھولی، اختر الایمان اور ساحر کی جوشیلی نظمیں پڑھ کر جوان ہوئی۔ اس نے استحصال کے خلاف مزاحمت کا سبق پڑھا اور پھر عملی تجربہ بھی کیا، مگر حاصل زندگانی یہ رہا۔

> میرا خیال غلط نکلا... اس آہنی نظام کو اس شکنجے کو توڑنا اتنا آسان نہیں... بس ایک طوق سے نکل کر آدمی دوسرے میں اسیر ہو جاتا ہے... میرا ایک آزاد فضا میں سانس لینے کو جی چاہتا تھا۔ مگر جھوٹ اور خود غرضی اور فریب تو ہر جگہ ہے۔ اپنی اپنی سطح پر۔ [۶]

مذہب اور احترام انسانیت کے نام پر قائم کیے جانے والے ملک کے حصول کے لیے لاکھوں عورتیں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ایندھن کے طور پر استعمال ہوئیں اور جنگی اولادیں پیدا کر کے ماں کا رتبہ پایا، مگر سماج کی کل سیدھی نہ ہو پائی۔ ظلم واستبداد اور معاشرتی و سیاسی جبر سے ٹکرانے والی افروز کو لگا کہ محض کردار بدلے ہیں، کھیل ہنوز جاری ہے۔ عورت کی حیثیت میں کوئی فرق نہ آیا تھا، وہ جتنی بے وقعت پہلے تھی، اتنی ہی بے وقعت اب بھی ہے۔ سماجی و سیاسی لڑائیوں میں عورت کو عملی میدان میں اتارا تو جاتا ہے، مگر ان عظیم نعروں کا اطلاق اس کی حقیقی زندگی اور کردار پر بہت کم کیا جاتا ہے اور بالآخر وہ ایک روایتی زندگی گزارنے پر مجبور کر دی جاتی ہے۔

دہلی کے تہذیبی پس منظر سے تعلق رکھنے والی عائشہ کی ثقافتی تشکیل بھی ان خطوط پر کی جاتی ہے کہ نوتشکیل پذیر سماجی نظام میں وہ زیادہ سے زیادہ کارآمد ثابت ہو سکے اور خاندان کے جاہ وجلال اور شوکت و نفاست میں اضافے کا باعث بن سکے۔ (جس میں سرمایہ اور جدت/ ماڈرن طرز زندگی ایک کلیدی حیثیت رکھتے ہیں)۔

پاکستان کے ابھرتے ہوئے نو دولتیہ طبقہ کے اشرافیائی اقدار سے مزین کرنے کے بعد عائشہ کی شادی کے لیے ایک بڑے عہدے والے جاگیردار کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ مگر طاقت اور مفادات کے اس سودے میں عائشہ کی نسائیت اور مخصوص ثقافتی شناخت بہت جلد آڑے آجاتی ہے۔ حسیب جاگیردارانہ طبقہ اور مردحاوی معاشرت کا نمائندہ فرد ہے، جس کے لیے عورت کی واحد پہچان محض عورت ہونا ہے۔ اس سے زیادہ اسے عورت کے محسوسات، رکھ رکھاؤ، شناخت اور مکمل وجود سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اپنی دولت، طاقت اور عہدے کے گھمنڈ میں حسیب کا برتاؤ عائشہ کے ساتھ تضحیک آمیز ہوتا ہے، وہ اس کی ہتک کر کے مزہ لیتا ہے۔ عائشہ کی صورت، لباس، گفتار اور پسند و ناپسند سب اس کے لیے ہیچ اور پوچ ہیں۔ نتیجتاً عائشہ کو اپنی کایا کلپ کرنا پڑتی ہے۔

> ... مجھے نہیں اس گھر کو اس سیکٹر کو جس میں یہ گھر ہے اور نام کی اس تختی کو دیکھو، جس پر گریڈ اور عہدہ کندہ ہے... مونا مسلسل اسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ عائشہ کہاں تھی؟... وہ سنہری لمبی چوٹی... میک اپ سے لدے پختہ چہرے کے گرد کالے سیاہ سیدھے بال شانوں تک کٹے تھے اور وہ سنہری شعاعیں بکھیرتی آنکھیں... سبز؟... یہ سجاوٹی کنٹیکٹ لینز ہیں... حسیب کی پسندیدہ آنکھیں... حسیب کے پسندیدہ بال... ''وہ تو تمھارا اصل وجود تھا''... وہ اصل وجود ہی تو رکاوٹ تھا... فتح و کامرانی کے بہت سے انداز ہوتے ہیں، مگر شکست کا ایک ہی راستہ ہے۔ مکمل پسپائی، سپردگی، فنا... واپسی کے تمام راستے بند تھے... اصل وجود کا ایک ایک نقش مٹا دیا... اس کے بدلے میں مجھے یہ سب کچھ حاصل ہے... وہ (حسیب) تو

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

محض ایک ٹائپ ہے۔ بس تحفظ اور سٹیٹس... یہ لینز مجھے اب تک تکلیف دیتے ہیں... آنسوؤں کے سوتے خشک ہوگئے ہیں۔ مجھے مصنوعی آنسو حاصل کرنا پڑتے ہیں... خدا کا شکر ہے کہ میں آسانی سے افورڈ کرسکتی ہوں۔(۷)

عائشہ کے کردار کی یہ وجودی تقلیب بہت بلیغ اور علامتی معنویت کی حامل ہے۔ اسے محض مہاجر اور مقامی کے ثقافتی تفرق تک محدود کرنا محلِ نظر ہے۔ وجود کی یہ تقلیب دراصل وہ کایا کلپ ہے جس کی بنا پر عورت بقا کی جنگ لڑتی ہے۔ محسوساتی، نسائی اور روحانی وجود کو مار کر محض جسم کے پرسونے میں زندہ رہتی ہے۔ یہاں عائشہ کی سہل پسندی کو الزام دیا جا سکتا ہے کہ مجبوری کے اس جوے کو اُتار کیوں نہیں پھینکتی اور مزاحم کیوں نہیں ہوتی۔ مگر محولہ بالا افروز کے کردار کو نہ بھولنا چاہیے کہ وہ نظام سے ٹکر لے کر بھی شکستہ و خستہ ہے۔ عائشہ عورت کے منقسم وجود کی نمائندہ کردار ہے۔ سماج کے جابرانہ اور مردحاکمانہ نظام میں آسودہ اور محفوظ زندگی بسر کرنے کے لیے صرف ایک گنجائش رکھی گئی ہے اور وہ ہے اپنی ذات اور شناخت کی نفی۔ مردانہ سماج کے اس تانے بانے میں جب کوئی عورت اپنے صنفی اور ذہنی تشخص سے دستبردار ہوجاتی ہے تو معاشرہ اسے ایک مخصوص اور ''عالی'' مقام تفویض کر کے سرخ رو ہوجاتا ہے۔

تانیثی حوالے سے اس ناول کا سب سے اہم کردار مونا کا ہے۔ مونا جو روایتی جاگیردارانہ طبقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ مونا غلطی سے دماغ بھی رکھتی ہے اور وہ دماغ کام بھی کرتا ہے۔ مونا کے کردار کی مدد سے جاگیردرانہ معاشرت کے داخلی تضادات اور کھوکھلے معیارات کی بہت عمدہ عکاسی کی گئی ہے۔ پاکستان میں جاگیردار طبقے میں اپنی آسودگی اور خوش حالی کے پیش نظر لڑکیوں کو تعلیم دلانے کا رواج بڑھنے لگا۔ فیصل آباد سے تعلق رکھنے والا یہ جاگیردار خاندان لاہور میں اقامت پذیر تھا اور مونا کے والد سرکاری محکمے میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے اور مراعات یافتہ تھے۔ مونا کو انھوں نے اچھے اداروں میں تعلیم دلوائی، افروز اور عائشہ اس کی کلاس فیلو تھیں۔ ان دونوں اور بالخصوص افروز کی وجہ سے مونا کا شعور اپنے طبقے کی روایتی لڑکیوں سے مختلف سطح پر پہنچنے لگا۔ اپنے وجود، کردار اور شناخت سے متعلق اس کے ذہن میں طرح طرح کے سوال پیدا ہونے لگے۔ اس کے سوالات، مشاہدات اور تلاش وجود کے مسائل مروجہ سماجی و خاندانی نظام سے متصادم ہونے لگتے ہیں اور وہ داخلی کرب و اذیت کا شکار ہوجاتی ہے۔

مونا کے کردار کی مدد سے مصنفہ نے سماج کی اقداری ساخت کے دوغلے معیارات اور فراریت پسند رویوں پر کاری ضرب لگائی ہے۔ ہمارے معاشرے کا ایک عمومی رویہ مذہب کی من چاہی تعبیر ہے۔ زمینی، فطری اور حیاتیاتی حقیقتوں سے آنکھیں چرانے والوں کے لیے مذہب بہترین پناہ گاہ ہے۔ عورت کے استحصال کے ضمن میں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بھی مذہب کو کارآمد حربے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جب وہ گرد و پیش کے جبر و استبداد اور عدم مساوات پر سوال اٹھاتی ہے تو مروجہ اخلاقی نظام اور خود ساختہ اور من مانی مذہبی تعبیر فوراً تلقین کرتے ہیں کہ یہ تو خدا کی تقسیم ہے۔ اس کی سوچ بھٹک گئی ہے اور صرف وہی درست ہے، جو اسے ''فیڈ'' کیا جا رہا ہے... یہ سب کچھ اس کی دنیا سے تعلق نہ رکھتا تھا... وہ شرمندہ تھی... کچھ بھی نہ کر سکتی تھی... ان کے بارے سوچنا بھی دشوار تھا... دیکھ کر دہل سکتی تھی۔ اماں کی گود میں پناہ لے سکتی تھی۔ اس کا اپنا دل شور زدہ نظر آتا جس کی سطح پر ازلی خسارے کا زہریلا نمک پھیل رہا تھا۔(۸)

افروز اس من گھڑت اور رواجی بیانیے کو رد کرتے ہوئے اسے سمجھاتی کہ:

> خدا انسانوں پر ظلم نہیں کرتا۔ یہ سب انسانوں کا کھیل ہے اور اگر یہ مقدر ہے تو کیا یہ سب خدا کی مرضی سے ہو رہا ہے... وہ فوراً وہاں سے بھاگی اللہ میاں کی تو اسے ہر وقت ضرورت رہتی تھی۔ دعا کے بغیر ایک لمحہ نہ گزرتا تھا۔(۹)

عورت کے ذہنی وجود کو تسلیم کرنا مردانہ معاشرے کے لیے بہت مشکل ہے۔ تفکر کرنے اور سوال اٹھانے والی عورت کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی مذہب، کبھی خاندان اور کبھی روایات و تہذیب کے ذریعے۔ آزادی اظہار تانیثیت کا ایک بنیادی پہلو ہے، تانیثیت عورت کے ذہنی وجود کو تسلیم کرنے پر زور دیتی ہے۔ عورت بھی رائے دینے، غلط و صحیح کا فیصلہ کرنے اور تجزیہ و تعبیر کی صلاحیت رکھتی ہے اور یہ اس کا بنیادی حق ہے۔ یہ حق اسے اللہ نے دیا ہے اور مذہب انسانی بنیادوں پر مرد و زن میں کوئی تفریق نہیں کرتا۔ اس کے باوجود عورت جب بھی سماجی معیارات کی غیر منصفانہ اور عدم مساوی تشکیل پر سوال اٹھاتی ہے، تو سب سے پہلے مذہب کی آڑ لی جاتی ہے۔

سوالات، شبہات اور انحراف نے مونا کے دماغ کو ملغوبہ بنا دیا تھا جس کی کوئی سمت واضح نہ ہوتی تھی۔ تضادات کے باعث اس کی شخصیت نوعمری میں ہی چٹخنے لگی تھی۔ ایک معمول کی سدھائی ہوئی آسودہ زندگی جینے والی مونا کے دماغ، جسم اور طرز زندگی میں کوئی مطابقت نہ تھی۔ وہ ایسے اعمال بجا لانے پر مجبور تھی جو ہمہ وقت دماغ سے متصادم اور باعث اضطراب تھے۔ وہ تو شاید دوسروں کی توقعات پوری کرنے کی خاطر بنی تھی۔ رفتہ رفتہ دوسروں کی توقعات اور اس کی اپنی پسند و ناپسند، امیدیں، آرزوئیں گڈمڈ ہو کر ایک ہی ہو گئی تھیں۔(۱۰)

جاگیردارانہ سماج میں مرد حاکمانہ ذہنیت کی مضحکہ خیزی ملاحظہ ہو کہ دور جدید کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں لڑکیوں کو بھیجنے کے بعد یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ بالکل ایک صدی پہلے جیسی سوچ کی نمائندگی کریں۔ علم اور کتابیں محض ایک شغل اور کھیل ہیں۔ گھر آنے کے بعد یہ تمام فلسفے اور افکار دماغ سے محو ہو جانے چاہییں اور سدھائے ہوئے جانوروں کی طرح انھیں روایتی فیصلوں کی ہاں میں ہاں ملانی چاہیے۔ گویا مردانہ سماج میں عورت کی تعلیم

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ایک باشعور انسان بنانے کے واسطے نہیں، بلکہ ایک سماجی ضرورت کی تکمیل کے واسطے اور ایک فیشن کے لیبل کے طور پر ہے تاکہ کل کو اچھے اور ''مطلوبہ'' خاندانوں کے ساتھ رشتے جوڑنے میں آسانی ہو۔

اکثریت کی کتابوں میں وردی پوش مونچھ برداروں کی تصویریں براجمان ہوتیں گریجوایشن کرتے کرتے کالج کی حسیناؤں کے فلائٹ لیفٹینٹ اور کپتانوں کی بیگمات بننے کی نوید آجاتی اور یہی لڑکی کی سب سے بڑی کامیابی گردانی جاتی۔ [11]

اس ضمن میں سماجی رویوں کا یہ پہلو بہت تکلیف دہ ہے کہ عورت کے اکثر بنیادی حقوق کی تکمیل بھی اس کے استحصال کی ایک پرفریب شکل اختیار کر جاتی ہے۔حقوق کے اس ریاکارانہ اور سودکارانہ تناظر میں کی... رائے خاصی معنی خیز ہے... اس بات کا خیال رہے کہ یہ تمام حقوق عورت کو عطا نہ کیے جائیں بلکہ مرد کی طرح عورت کو بھی ان حقوق کا حاصل ہونا مسلمہ ہو۔عطا کرنے اور حاصل ہونے میں بھی Discourse کی الجھن ہے کہ عطا کرنے والا خود بخود غالب اور برتر مقام حاصل کرے گا۔ [12]

تانیثیت کا ایک اہم زاویہ یہ ہے کہ عورت کی شناخت اور وجود کے اثبات کے حوالے سے روایتی اور اسٹیریوٹائپ معاشرتی رویوں سے بحث کرتی ہے۔ مردانہ معاشرے کا یہ عمومی چلن ہے کہ عورت کو فرد کی حیثیت سے علیحدہ پہچان نہیں دی جاتی اور اس کے وجود کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بیسویں صدی تک حقِ رائے دہی جیسے بنیادی شخصی حق سے محرومی اس بات کی واضح دلیل ہے۔رائے دہی سے محرومی اور معاشرتی کل میں شماریاتی نفی کا یہی رویہ حقوق نسواں کی تحریک کے لیے بنیادی محرک بھی بنا۔سو سال گزرنے کے بعد بھی اس صورت حال میں عملی سطح پر کوئی زیادہ تبدیلی نہیں آئی۔ بالخصوص ہمارے معاشرے میں سماجی و معاشرتی سطح پر عورت کے مکمل وجود کی نفی ایک بہت حساس مسئلہ ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ تعلیم و آگہی کی بنا پر عورت میں اثبات ذات کا احساس جتنا بیدار ہو رہا ہے، مسئلے کی حساسیت اور پیچیدگی اور زیادہ نمایاں ہوتی جا رہی ہے۔ معاشرتی رویوں کی جذباتیت، جانبداری اور جبریت کھل کر سامنے آ رہی ہے۔ ناول کی مرکزی کردار مونا نے ایسے ہی خاندانی اور سماجی نظام کے تانے بانے میں پرورش پائی ہے۔اقدار و روایات کا کھوکھلا اور غیر منطقی نظام اس کے سامنے ایک بہت بڑا سوال ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اسے بھی اپنی ذات کے حوالے سے پہچانا جائے... دنیا میں کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا، جو اس کو باور کرا سکے کہ وہ موجود ہے اور برحق ہے۔ [13]

معاشرے نے عزت، نجابت اور شرافت کے جو پیمانے مقرر کیے ہیں ان کے مطابق عورت کا سوال اٹھانا، اختلاف کرنا، رائے دینا، مکالمہ کرنا اور فیصلہ کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔خواہ وہ معاملہ براہ راست اس کی اپنی

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

ذات سے ہی متعلق کیوں نہ ہو۔ صنفی امتیاز کی وضع کردہ اشرافیائی دانش فوراً متنبہ ہوتی ہے۔

> خاندانی لڑکیاں غیر لوگوں سے یہ ذات اور وجود اور ذہنی وفکری مسائل اور شعر و ادب پر گفتگو نہیں کیا کرتیں۔ نہ ہی سیاسی گتھیاں سلجھایا کرتی ہیں... جتنا جی چاہے پڑھو لکھو... جب تک... خاندانی رشتہ نہیں مل جاتا... اس کے بعد سب کہانی ہے۔[۱۴]

اس کے پیچھے صدیوں کا تشکیل کردہ مہابیانیہ کارفرما ہے کہ عورت ناقص العقل اور خام ہے۔ وہ صرف جسم رکھتی ہے اور فکر ونظر سے عاری ہے۔ اس مہا بیانیے کی مضحکہ خیزی پہ سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے جب عورت کو اعلیٰ تعلیم یافتہ اور معاشی خود کفالتی کی منزل پا لینے کے بعد بھی معاشرہ ایسے برتاؤ کرتا ہے جیسے وہ موم کی گڑیا ہو۔ اس کی زندگی کا منتہائے مقصود ہانڈی چولہا اور بچے پیدا کرنا ہے اور اس سے کسی معقول اور دانشمندانہ اقدام کی توقع عبث ہے... مونا سوچتی ہے کہ اپنی ماں کی طرح سلیقہ شعاری اور گھر داری میں ماہر ہونا ہی میرا بہترین مصرف ہو سکتا تھا، مگر اس میں میرا کیا قصور کہ میں ایسی نہیں ہوں (معاشرتی رویوں کی ردِ تشکیل)۔[۱۵] ایسی صورت حال میں حاکمانہ جبریت فوراً اپنا منہ کھول لیتی ہے کہ اب کیا ہم ''لڑکی ذات'' کے آگے لگ جائیں، مرد کیا ختم ہو گئے ہیں کہ اب عورتیں فیصلے کریں گی۔ تانیثیت ان لسانی تشکیلات کو چیلنج کرتی ہے۔ الفاظ کی ان من چاہی تعبیرات اور ثقافتی تناظرات سے بحث کرتی ہے کہ عورت کے نسائی اظہار، اس کی شرح و تعبیر اور قدر و قیمت کا فیصلہ آخر کب تک یونہی مرد کرتے رہیں گے۔[۱۶]

اس لیے مونا نے جب اپنے اندر کلبلانے والے اضطراب، تشکیک اور سوالات کو تخلیقی اظہار کا روپ دیا اور اس ضمن میں حسن سے مکالمہ کرنے لگی تو یہ اقدام قابل گرفت ٹھہرا۔ یہ کیا تم اوٹ پٹانگ باتیں کرتی رہتی ہو فون پر۔ کون ہے یہ حسن... فون میں کیوں پھنس گیا ہے بھئی۔ تمھیں ان سب باتوں کا قطعاً کچھ پتا نہیں... سب ایک اعلیٰ قسم کے فراڈ ہوتے ہیں... اب تم بڑی ہو گئی ہو۔[۱۷]

مگر وہ تو... اس لیے لکھتی تھی کہ وہ، وہ نہیں جو اسے ہونا چاہیے تھا، اور اس کے باہر بھی دنیا وہ نہیں جیسا اسے ہونا چاہیے تھا۔ شاید وہ اس لیے لکھتی تھی کہ وہ ایک معمولی ناقابلِ توجہ وجود تھی اور قابلِ توجہ بننا چاہتی تھی... وہ اس لیے لکھتی تھی کہ وہ ایک شکست خوردہ ملک کی باسی تھی... وہ ڈار سے بچھڑی کونج تھی... وہ ایک مسلسل روحانی ہجرت کے عمل میں تھی... اس کا مقصود و منتہا کہیں بھی نہ تھا۔[۱۸]

اور حاصل کلام محض یہ کہ... اب تو پاکستان کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ مونا بھی لکھارن بن گئیں... میاں کو کہانی گوشت کھلائیں گی۔[۱۹]

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اثبات ذات کا یہ مسئلہ بالآخر عورت کی وجودی تقسیم پر منتج ہوتا ہے۔مزاحمت، انکار اور جبر سے مقابلہ کرتی ہوئی عورت کی جنگ بہت بھیانک ہوتی ہے۔اسے داخل اور خارج کی سطح پر متعدد محاذوں پر بیک وقت لڑنا پڑتا ہے۔ وجود کے اثبات کی جدو جہد میں اس کی ذات کی اکائی چیخ جاتی ہے۔لحہ لحہ اور رشتہ رشتہ تغیر پذیر پرسونوں میں بٹتی عورت تلاش وجود کے سفر پر چلتے چلتے اور جبریت کی دیواروں سے ٹکراتے ٹکراتے معدومیت اور کایا کلپ کی اور جانکلتی ہے۔وجود سے لاتعلق اور ذات سے بے ذات ہونے کا یہ عمل اس وقت تک جاری رہے گا جب تک جبر کی یہ دیوار گرا نہیں دی جاتی۔

> میں ایک خود منقسم وجود ہوں... کسی بھی صورت میں اطمینان نہیں۔شاید آخر تک فیصلہ نہ کر پاؤں گی کہ مجھے کیا ہونا چاہیے تھا... یہ میری منفعل سوچ شاید خاندانی روایت کا نتیجہ ہے۔ابا بڑے روشن دماغ اور جدید ہونے کے باوجود یہ ہرگز نہیں چاہیں گے کہ میں کچھ حدود پار کروں... بہت سی تحریری باتیں کرنا انتہائی غلط اور نامناسب ہے اور آدمی کا احساس جرم بڑھاتی ہیں... ''جب تک تم اس نتیجہ پر پہنچو گی کہ تم پر کوئی کفارہ واجب نہیں کیوں کہ تم نے کوئی جرم کرنے کی اہل ہی نہیں تھیں اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہو گی۔اور ایک بہت بڑی صلاحیت تمھارے اندر جل کر راکھ ہو چکی ہو گی۔''[۲۰]

اسی رائیگانی کا نام شاید عورت ہے،اور تانیثیت اسی سے بچاؤ کی جدو جہد ہے۔خالدہ حسین نے اس ناول میں ایسے بہت سے سوالات اٹھائے ہیں جو تانیثیت کے بنیادی دائرے میں آتے ہیں۔انھوں نے عورت کے ضمن میں روا رکھی جانے والی متعدد ناانصافیوں اور ناہمواریوں کو ان کے مضمرات کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔عورت کے کردار اور فکر کی غلط اور مسخ تفہیم وتعبیر کو پہلو داری اور گہرائی کے ساتھ منعکس کرنے کی فن کارانہ کوشش کی ہے۔ادب اور تانیثیت کے تفاعل کے اعتبار سے یہ ناول ایک عمدہ پڑھت کا حامل ہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیّر،''تانیثیت اور جدید اردو نظم''،مشمولہ''تانیثیت اور ادب''،مرتب انور پاشا،(دہلی،عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)،ص۱۲۹

۲۔ ڈاکٹر عظمی فرمان،''اردو ادب میں نسائی تنقید''،(کراچی:سعید پبلی کیشنز،۲۰۱۶ء)،ص۸۱۔۸۰

۳۔ خالدہ حسین،''کاغذی گھاٹ''،(اسلام آباد:دوست پبلی کیشنز،۲۰۰۲ء)،ص۱۵۔۱۴

۴۔ صالحہ صدیقی،''اردو ادب میں تانیثیت کی مختلف جہتیں''،(دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۳ء)،ص۲۱۶

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۵۔ خالدہ حسین، ''کاغذی گھاٹ''، ص ۱۵۲
۶۔ ایضاً، ص ۵۷۔۵۶
۷۔ ایضاً، ص ۶۴۔۶۱
۸۔ ایضاً، ص ۴۹۔۴۸
۹۔ ایضاً، ص ۷۷
۱۰۔ ایضاً، ص ۴۸
۱۱۔ ایضاً، ص ۶۸
۱۲۔ شائستہ شریف، ''تانیثیت پر اعتراضات: تحقیقی اور تنقیدی جائزہ''، مشمولہ ششماہی ''معیار''، اسلام آباد، شعبہ اُردو اسلامک انٹرنیشنل یونی ورسٹی، شمارہ ۱، جلد ۱۵۔۱۶، ۲۰۱۶ء، ص ۲۸۰
۱۳۔ خالدہ حسین، ''کاغذی گھاٹ''، ص ۱۳۴
۱۴۔ ایضاً، ص ۱۳۵۔۱۳۴
۱۵۔ ایضاً، ص ۱۳۷
۱۶۔ جولی رفکن اور مائیکل ریان، ''تانیثیت کے نقوش: ایک تعارف''، ترجمہ ارجمند آرا، مشمولہ ششماہی ''تنقید''، شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ، جلد ۲، شمارہ ۱، ۲۰۰۶ء، ص ۲۷۱
۱۷۔ خالدہ حسین، ''کاغذی گھاٹ''، ص ۱۱۰
۱۸۔ ایضاً، ص ۱۵۹۔۱۵۸
۱۹۔ ایضاً، ص ۱۶۷
۲۰۔ ایضاً، ص ۱۴۵، ۱۳۸، ۱۳۷

مآخذ

۱۔ حسین، خالدہ، ''کاغذی گھاٹ''، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء
۲۔ صدیقی، صالحہ، ''اردو ادب میں تانیثیت کی مختلف جہتیں''، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۳ء
۳۔ فرمان، عظمیٰ، ڈاکٹر، ''اردو ادب میں نسائی تنقید''، کراچی: سعید پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء
۴۔ نیرّ، ناصر عباس، ڈاکٹر، ''تانیثیت اور جدید اردو نظم''، مشمولہ ''تانیثیت اور ادب''، مرتب انور پاشا، دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء

رسائل و جرائد

۱۔ ششماہی ''تنقید''، شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ، جلد ۲، شمارہ ۱، ۲۰۰۶ء
۲۔ ششماہی ''معیار''، اسلام آباد، شعبہ اُردو اسلامک انٹرنیشنل یونی ورسٹی، شمارہ ۱، جلد ۱۵۔۱۶، ۲۰۱۶ء